قرآن کریم میں مثبت تنقید کی روشیں

Methods of Positive Criticism in the Holy Qur'an

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr: Ghulam Abbas
Ph.D. Quran and Educational Sciences,
Al-Mustafa International University, Qom, Iran
E-mail: ghulamabbas.kash@gmail.com

Abstract:

Positive criticism plays a fundamental role in intellectual development and social reform. However, in the contemporary era, it has often assumed an unprincipled and negative form, resulting in intellectual and moral imbalance. The reformative dimension of current critical approaches has weakened, whereas the Qur'an presents a balanced and ethical model of criticism that merits careful study and elucidation. This research aims to identify and explain the positive methods of criticism found in the Holy Qur'an and to present them as a comprehensive theoretical and practical framework, enabling critics to become familiar with these methods and apply them appropriately according to different contexts and circumstances. The study adopts a descriptive-analytical methodology, examining relevant Qur'anic verses through analytical investigation. The findings indicate that the Qur'an does not employ criticism merely as a means of rejection or refutation; rather, it transforms it into a constructive process aimed at intellectual reform, moral cultivation, and social betterment.

Keywords: criticism, Methods of Criticism, Positive Criticism, Practical Experience, Indirect Criticism, Critics.

خلاصہ

مثبت تنقید علمی ترقی اور معاشرتی اصلاح میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے، لیکن عصرِ حاضر میں یہ اکثر غیر اصولی اور منفی انداز اختیار کر چکی ہے جس سے فکری و اخلاقی عدم توازن پیدا ہو رہا ہے۔ موجودہ تنقیدی رویوں میں اصلاحی پہلو کمزور پڑ گیا ہے جبکہ قرآن ایک متوازن اور اخلاقی تنقیدی ماڈل پیش کرتا ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ اس تحقیق کا ہدف قرآنِ مجید میں موجود مثبت تنقیدی روشوں کو واضح کرنا اور انہیں ایک جامع علمی و عملی فریم ورک کے طور پر پیش کرنا ہے تاکہ ناقدین اِن روشوں سے آشنا ہو سکیں اور موقع کی مناسبت سے ان سے استفادہ کر سکیں۔

اس مقالہ کی تدوین میں ہماری تحقیقی روش، توصیفی- تحلیلی (Descriptive-Analytical) ہے جس میں تنقید کے موضوع سے مربوط قرآنی آیات کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ تحقیق کے نتائج یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن تنقید کو محض ایک ردّ و انکار کا عمل نہیں، بلکہ اسے اصلاحِ فکر، اخلاقی تربیت اور معاشرتی بہتری کے تعمیری عمل میں تبدیل کرتا ہے۔

کلیدی کلمات: تنقید، مثبت تنقید، تنقید کی روشیں، عملی تجربہ، غیر مستقیم تنقید، ناقد، اصلاح۔

1۔ مقدمہ

قرآن کریم نے مسلمانوں کو تنقید کے آداب سکھلائے ہیں۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بھی اکثر ان آداب سے ناآشنا ہوتا ہے۔ بنابرایں، اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک علمی، تحقیقی مقالے میں تنقید کے مفہوم، اس کی اقسام اور مثبت تنقیدی روشوں کا تجزیہ پیش کیا جائے گا؛ تاکہ نقّادوں کے لئے مثبت تنقید کا روش کو واضح کیا جاسکے۔ یقینا، مثبت تنقید کی کئی روشیں موجود ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں ان روشوں کا تفصیلی جائزہ لیں گے تاکہ ناقدین ان سے بخوبی آشنا ہو سکیں اور ہر روش کو اپنے موقع و محل کے مطابق استعمال کر سکیں۔ اس مقالہ میں تنقید کے منفی روّیوں پر اس لیے بحث نہیں کی جائے گی کیونکہ اس سے مقالہ بہت طویل ہو جائے گا۔ اسی طرح یہاں تنقید کی ایسی روشوں پر بھی بحث نہیں ہو گی جو بذاتِ خود، مثبت تنقید ہیں، لیکن موقع اور محل درست نہ ہونے کی وجہ سے منفی تنقید کا حصہ بن جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام پر تنقید روش کے لحاظ سے بالکل درست تھی لیکن موقع و محل کے اعتبار سے خطا تھی اس لیے اسے مثبت تنقید کے زمرے میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

2۔ تحقیق کی علمی افادیت

علم و تحقیق کا کاروان، ہمیشہ تنقید کے سہارے آگے بڑھتا ہے۔ لیکن اگر تنقید کا عمل، بذاتِ خود کجروی کا شکار ہو

جائے تو یہ نہ فقط علمی، تحقیقی پیشرفت میں کوئی معاونت نہیں کرتا، بلکہ اس راہ میں ایک حائل بن جاتا ہے۔ پیش نظر تحقیقی مقالہ کی افادیت یہ ہے کہ یہ تحقیق، قرآنِ مجید میں موجود تنقید کی مختلف روشوں کو بیان کرتی ہے جو محض دینی مباحث تک محدود نہیں بلکہ انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات پر محیط ہے۔ اس تحقیق کے ذریعے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآنی مثبت تنقید کا منہج علمی پیشرفت، فکری بالیدگی اور تحقیقی معیار کو بہتر بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ یہ دلائل، حکمت اور اصلاح پر مبنی ہے۔ اسی طرح یہ اسلوب معاشرتی تعمیر و ترقی کے لیے بھی ایک مؤثر بنیاد فراہم کرتا ہے، کیونکہ یہ فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کو ہدف بناتا ہے۔ ابلاغیات، تعلیم، قانون، سماجی علوم اور اخلاقی تربیت جیسے تمام شعبوں میں یہ منہج رہنمائی فراہم کرتا ہے تاکہ اختلافِ رائے اور تنقید کو تعمیری، مہذب اور نتیجہ خیز بنایا جاسکے۔ اس طرح قرآنی تنقیدی روش نہ صرف علمی معیار کو بلند کرتی ہے بلکہ ایک متوازن، پرامن اور صالح معاشرے کی تشکیل میں بھی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

3۔ تنقید کا مفہوم

لفظ "نقد" عربی زبان کا لفظ ہے جو فارسی میں داخل ہو کر وہاں کی زبان اور ثقافت کا حصہ بن چکا ہے۔ عربی میں اس کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں، جن میں درہم و دینار (کرنسی) کی جانچ، پڑتال، کسی چیز کو مسلسل اور پوشیدہ انداز میں دیکھتے رہنا، درہم و دینار کا لین دین، کھوٹے سکوں کو اچھے سکوں سے الگ کرنا، ادھار کے مقابلے میں نقد اور کسی چیز کو انگلی سے ٹھونکنا، بجانا شامل ہیں۔ بعض ماہرینِ لغت کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لفظ نقد انسان کے بارے میں استعمال کیا جائے، مثلاً کہا جائے کہ "میں نے فلاں شخص پر نقد کیا"، تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس کی گفتار و کردار کا جائزہ لیا گیا، اس کا تجزیہ اور وزن سنجی کی گئی اور اس کے بارے میں بحث و مناقشہ کیا گیا۔[1]

اصطلاح میں تنقید سے مراد کسی تحریر، گفتار یا روّیے کا باریک بینی سے جائزہ اور تجزیہ کرنا ہے تاکہ اس کے حسن و قبح، خوبیوں اور خامیوں، ضروری اور غیر ضروری پہلوؤں، موجود اور مفقود عناصر، نیز اس کی صحت و عدمِ صحت کو پہچانا اور دوسروں کے لیے واضح کیا جاسکے۔[2] شہید مطہری نقد و انتقاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تنقید کا مطلب محض عیب جوئی نہیں ہے، بلکہ کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھنا اور اس کے ذریعے صحیح و غلط، سالم و ناسالم کے درمیان امتیاز قائم کرنا ہے۔ اس بناء پر تنقید کا مقصد صرف خامیوں کی نشاندہی نہیں، بلکہ حقیقت کی شناخت اور درست تشخیص ہے۔ تنقید اور انتقاد کسی خاص طبقے، علم یا میدان تک محدود نہیں، بلکہ اس کا دائرہ انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں اور مختلف علوم و فنون تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے ہر شعبۂ علم کے ماہرین نے اپنے اپنے میدان کے مطابق تنقید کی تعریف کی ہے۔ تاہم ان تمام تعریفوں کی بنیاد، نقد کا لغوی مفہوم ہی ہے؛

یعنی صحیح اور غلط، یا کھرے اور کھوٹے کو ایک دوسرے سے الگ کرنا۔[3]
دراصل، تنقید کرتے وقت، ایک ناقد کا بنیادی مقصد وہی ہوتا ہے جو ایک معالج کا مریض کے معائنہ کے وقت ہوتا ہے؛ یعنی خرابیوں اور کمزوریوں کی تشخیص کر کے اصلاح اور بہتری کی راہ ہموار کرنا۔ خلاصہ یہ کہ تنقید کا مطلب کسی چیز کو واضح طور پر سامنے لانا اور اس کی خوبیوں و خامیوں کی پہچان کرنا ہے تاکہ حقیقت مکمل واضح ہو جائے۔ اصطلاح میں یہ تحریر، گفتار یا عمل کا ایسا جائزہ ہے جس کا مقصد اصلاح اور رہنمائی ہوتا ہے، نہ کہ صرف عیب جوئی۔ ناقد کا کردار بھی معالج کی طرح ہوتا ہے جو بیماری کی تشخیص کر کے علاج کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

4۔ تنقید کی اقسام

تنقید کے موضوع کو ہم مختلف طریقے سے دیکھ سکتے ہیں، بطور کلی ہم اسے دو بنیادی حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ منفی تنقید اور مثبت تنقید۔

4-1 منفی تنقید

یہ وہی تنقید ہے جسے عیب جوئی وغیرہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس میں اور تنقید میں بنیادی فرق ہدف پر ہے۔ حضرت علیؑ کے کلام کے مطابق جو شخص صرف دوسروں کے عیوب پر نظر رکھتا ہے وہ خود فکری اور عملی اندھیروں میں بھٹک جاتا ہے اور شیطان اس کے اعمال کو اس کی نظر میں خوبصورت بنا دیتا ہے۔[4] اس کے باوجود عیب جوئی اور نقد میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عیب جوئی کا سرچشمہ حسد، انتقام اور نفس کی خباثت ہوتا ہے جبکہ تنقید کا محرک خیر خواہی، انسانی ہمدردی اور دینی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح عیب جوئی کا مقصد دوسروں کو اذیت دینا اور شخصیت کو مجروح کرنا ہوتا ہے، جبکہ تنقید کا مقصد اصلاح، خامیوں کا ازالہ اور فرد کو کمال کی طرف لے جانا ہوتا ہے۔

4-2۔ مثبت تنقید

تنقید انسانی فکر اور عمل کی اصلاح کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ یہ افراد اور اداروں کی غلطیوں، کمزوریوں اور نقائص کی نشاندہی کر کے ان کی بہتری میں مدد دیتی ہے۔ تعمیری تنقید انسان کو اپنی کارکردگی کا جائزہ لینے اور اسے بہتر بنانے کا موقع فراہم کرتی ہے، جس کے نتیجے میں علمی، فکری اور عملی ترقی ممکن ہوتی ہے۔ اسی لیے صحت مند تنقید کو معاشرتی اور علمی ارتقا کا اہم عامل سمجھا جاتا ہے۔

5۔ مثبت تنقید اور منفی تنقید کا فرق

مثبت اور منفی تنقید کا معیار کچھ خاص اصولوں پر مبنی ہے۔ اگر تنقید ان اصولوں کے مطابق ہو تو مثبت تنقید کہلائے گی اور اگر تنقید ان اصولوں کے مطابق نہ ہو تو منفی تنقید کہلائے گی۔ البتہ توجہ رہے کہ یہ فرق ناقد کے تنقید کے

ہدف تک محدود نہیں ہے۔ لہٰذا مثبت تنقید کے لئے ناقد کا تنقید سے ہدف اچھا ہونا کافی نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے ایسے ناقدین کی تنقید کو جنہوں نے کہا: قالوا نحن مصلحون مثبت تنقید شمار نہیں کیا۔ اسی طرح اکیلے میں دوسرے اصول بھی ایک تنقید کو جب تک کہ تمام دیگر اصولوں کے ہمراہ - جنہیں آئندہ مقالہ میں بیان کیا جائے گا- نہ ہوں، مثبت تنقید نہیں بناتے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیؑ کی حضرت خضرؑ پر تنقید، یقیناً اچھے ہدف کے تحت تھی، لیکن دوسرے اصولوں کے ہمراہ نہ تھی۔

6۔ تنقید کے فوائد

تنقید کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں۔ تنقید اگر علم، انصاف اور خیر خواہی پر مبنی ہو تو فرد اور معاشرے دونوں کے لیے بے شمار فوائد رکھتی ہے۔

6-1۔ تنقید کے سماجی و تمدنی فوائد

1) فکری، عقیدتی اور معاشرتی انحرافات کی اصلاح
2) عدل، انصاف، احتساب اور اجتماعی ذمہ داری کا استحکام
3) مکالمے، سماجی شعور اور مثبت تنقیدی ثقافت کا فروغ
4) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مقاصد کا تحقق
5) بدعنوانی، ناانصافی اور غلط رسوم کی روک تھام
6) اداروں اور نظاموں کی کارکردگی میں بہتری
7) اجتماعی ترقی، حکمت اور معاشرتی استحکام کا فروغ
8) ایک باشعور، صالح اور ترقی یافتہ معاشرے کی تشکیل

6-2۔ تحصیلِ علم میں تنقید کے فوائد

1) حقیقت اور درست علم تک رسائی۔
2) تنقیدی اور تجزیاتی فکر کی نشو و نما؛ طالب علم دلائل کا جائزہ لینے اور منطقی نتائج اخذ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔
3) تحقیق اور جستجو کا فروغ؛ تنقید دراصل، سوال، تحقیق اور مزید مطالعے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔
4) علمی غلطیوں کی اصلاح؛ تنقید سے نظریات، معلومات اور تحقیقات میں موجود خامیوں کی نشاندہی ممکن ہوتی ہے۔

5) فکری جمود اور اندھی تقلید کا خاتمہ؛ تنقید کی برکت سے طالب علم ہر بات کو دلیل کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی بنتا ہے۔
6) استدلال اور استنباط کی صلاحیت میں اضافہ؛ تنقید کی بدولت طلباء میں دلائل سے نتائج اخذ کرنے اور مسائل کا تجزیہ کرنے کی مہارت پیدا ہوتی ہے۔
7) تخلیقی اور اختراعی صلاحیتوں کی ترقی؛ تنقید کی وجہ سے نئے خیالات، نظریات اور حل تلاش کرنے کا رجحان بڑھتا ہے۔
8) علمی مکالمے اور تبادلۂ افکار کا فروغ: تنقید کے ذریعے مختلف آراء کو سمجھنے اور ان پر علمی گفتگو کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔
9) خود احتسابی اور علمی فروتنی کی تربیت: تنقید کے طفیل انسان میں اپنی آراء کا از سرِ نو جائزہ لینے اور غلطی تسلیم کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔
10) علمی ارتقاء اور ترقی کا ذریعہ: تنقید کے ذریعے علوم میں اصلاح، تجدید اور پیش رفت کے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔
11) وسعتِ نظر اور اختلافِ رائے کو سمجھنے کی صلاحیت۔

7۔ غیر علمی اور غیر اصولی تنقید کے علمی، اخلاقی اور سماجی نقصانات

1) **علمی نقصانات**: حقائق سے دوری، علمی ترقی میں رکاوٹ، حق شناسی میں دشواری۔
2) **اخلاقی نقصانات**: کردار کشی، بدگمانی اور تہمت، تعصب کا فروغ۔
3) **سماجی نقصانات**: معاشرتی انتشار، باہمی اعتماد کا خاتمہ، گروہی اختلافات میں اضافہ۔
4) **دینی نقصانات**: غیر علمی گفتگو، ظلم اور ناانصافی، الٰہی مواخذے کا استحقاق۔

8۔ قرآن اور احادیث میں مثبت تنقید کی تشویق

قرآن میں مثبت تنقید کی تشویق کی گئی ہے۔ قرآن کی بہت سے آیات میں اندھی تقلید پر شدید تنقید کی گئی۔ جیسے کہا گیا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (2:170) ترجمہ: "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ چیز کی پیروی کرو تو کہتے ہیں: ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا۔" اسی طرح اپنے بڑوں اور سرداروں کی اندھی تقلید کی مذمت کی گئی: وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا (33:67) ترجمہ: "اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے

بڑوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔" وَقَالَ الَّذِینَ کَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِھٰذَا الْقُرْآنِ... (مفہوم) کافر اپنے سرداروں کی پیروی میں ایمان سے انکار کرتے ہیں اور آخرت میں ایک دوسرے کو ملامت کریں گے کہ بڑے لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ (34:31-33) خلاصہ یہ کہ جہاں قرآن کریم میں والدین کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، وہاں یہ حکم بھی دیا گیا کہ والدین کی دی ہوئی تعلیم پر تعقل اور تدبر حاکم ہونا چاہیے اور ان کے پڑھائے ہوئے عقائد و تعلیمات کو آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کرنے چاہیے۔ اسی طرح سرداروں اور اشرافیہ کی بھی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیے؛ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ غلط ہوں اور ان کی اصلاح کی ضرورت ہو۔

احادیث میں بڑے واضح الفاظ میں تنقید کی تشویق کی گئی ہے۔ امام سجادؑ ایک حدیث میں تعمیری تنقید سے غفلت کے نقصانات کو اس طرح بیان کرتے ہیں: "بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی اتنی زیادہ تعریف کی جاتی ہے اور ان کی مدح کی جاتی ہے کہ وہ دھوکے میں آ کر بگڑ جاتے ہیں، اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے عیوب پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے (اور ان پر تنقید نہیں کی جاتی)، جس کی وجہ سے وہ مغرور ہو جاتے ہیں۔[5] اسی طرح امام صادق علیہ السلام بہترین دوستوں کے بارے میں فرماتے ہیں: "میرے نزدیک بہترین دوست وہ ہیں جو میرے عیوب اور خامیوں کو مجھے تحفہ کے طور پر پیش کریں۔"[6]

اگرچہ امامؑ مقامِ عصمت پر فائز ہیں اور ان کے وجود، گفتار اور کردار میں کسی قسم کا نقص یا عیب نہیں پایا جاتا، لیکن وہ بہترین دوست اسے قرار دیتے ہیں جو اگر امام کے بارے میں کوئی عیب یا نقص محسوس کرے تو بلا جھجک اسے آگاہ کرے۔ اس عمل کا کم از کم فائدہ یہ ہے کہ یوں ناقد کے ذہن میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کو تعمیری ماحول میں دور کیا جا سکتا ہے۔

امام علیؑ فرماتے ہیں: "جو شخص تمہارے عیوب اور کمزوریوں کو تم سے چھپائے اور اصلاح کی غرض سے تمہیں ان کی طرف متوجہ نہ کرے، وہ تمہارا دشمن ہے۔"[7] امام موسیٰ بن جعفرؑ مؤمنین کی زندگی کی منصوبہ بندی اور تنقید و تنقید پذیری کے بارے میں فرماتے ہیں: "... اور اپنے وقت کا ایک حصہ ایسے قابلِ اعتماد دینی بھائیوں کے ساتھ میل جول کے لیے مخصوص کرو جو تمہارے عیوب سے آگاہ ہوں اور بغیر کسی دھوکے اور فریب کے تمہیں ان کی طرف متوجہ کریں۔"[8]

9۔ قرآن میں مثبت تنقید کی چند روشیں

جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے مثبت اور منفی تنقید کا معیار، صرف ناقد کا ہدف نہیں؛ بلکہ تنقیدی عمل میں کارفرما کچھ بنیادی اصول ہیں جو یہ واضح کرتے ہیں کہ آیا یہ تنقید مثبت ہے یا منفی؟ جہاں تک مثبت تنقید کا تعلق ہے تو قرآنِ مجید کے مطابق، تنقید ایک تعمیری، حکیمانہ اور اصلاحی عمل ہے جس کا مقصد فکر و عمل کی درستگی

اور معاشرتی اصلاح ہے۔ قرآنی تنقید ہمیشہ حکمت، موقع و محل کی رعایت اور اخلاقی اسلوب کے ساتھ کی جاتی ہے تاکہ اس کا اثر زیادہ مؤثر اور دیرپا ہو۔ مزید یہ کہ قرآن دلیل، نرمی اور تدریج کو بنیادی اصول بناتا ہے جن کی روشنی میں تنقید کی مثبت روشوں کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ ذیل میں مثبت تنقید کی چند روشیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں:

9-1۔ مثبت تنقید میں سوال کی روش

قرآنِ کریم میں تنقید کی ایک نہایت مہذب اور علمی روش، سوال کے ذریعہ تنقید کرنا ہے۔ اس روش میں بعض اوقات، مقصد کسی حکم یا واقعے کی مخالفت نہیں، بلکہ اس کی حکمت کو سمجھنا اور فہم میں وسعت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس اسلوب کی نمایاں مثال فرشتوں کا وہ مکالمہ ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر کہ وہ زمین میں خلیفہ بنانے والا ہے، ادب کے ساتھ استفسار کیا: أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (2:30) یعنی "کیا تو زمین میں ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا؟" یہ سوال کسی انکار یا اعتراض پر مبنی نہیں تھا، بلکہ مخلوق کے محدود علم کے مطابق ایک فکری استفسار تھا جس کا مقصد حکمتِ الٰہی کو سمجھنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کو رد کرنے کی بجائے فرشتوں کے ایک حقیقت سے غافل ہونے اور اپنے علم کی طرف رہنمائی فرمائی: إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (2:30) یعنی "میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" اس سے واضح ہوتا ہے کہ سوال اور استفسار، اسلامی فکر میں ایک مثبت تنقیدی رویہ ہے جو تحقیق، غور و فکر اور فہمِ حقیقت کو فروغ دیتا ہے۔

اس کے برعکس، ابلیس نے جو تنقید کی اس میں کہیں استفسار نہیں پایا گیا کہ اس نے خدا سے پوچھا ہو کہ آدم کو خلیفہ کیوں بنا رہے ہو؟ وغیرہ۔ بلکہ ابلیس کی گفتگو محض ایک خبری جملہ تھا جو اپنی رائے کو منوانے کی غرض سے بیان ہوا: قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (7:12) یعنی "اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔" اس کے ساتھ ساتھ، ابلیس نے خداوند تعالی کے حکم کو قبول کرنے سے انکار کیا: أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (2:34) یعنی "اس نے انکار کیا، تکبر کیا اور کافروں میں شامل ہو گیا۔"

یوں فرشتوں کا مکالمہ تنقید کی ایک مثبت، علمی اور اصلاحی جہت کو ظاہر کرتا ہے جس کا مقصد حقیقت کی تلاش اور حکمت کو سمجھنا ہے، جبکہ ابلیس کی "تنقید" دراصل، تکبر، خود پسندی اور بغاوت پر مبنی منفی ردِّ عمل ہے جو علم کی بجائے انا پرستی اور قیاس پر قائم تھا۔ چونکہ ابلیس کی تنقید کہیں پر بھی سوالیہ انداز میں نہیں تھی اس لیے خدا نے بھی کہیں پر اس کا جواب نہیں دیا کہ آگ، مٹی سے افضل نہیں۔

سوال کے ذریعے مثبت تنقید کی ایک روش یہ بھی ہے کہ آپ سوال سیکھنے کے لیے نہیں، بلکہ سکھانے کے لیے کرتے

ہیں۔ سوال اس انداز میں پوچھا جائے کہ اس کا جواب خود آپ کو ہی دینا ہو لیکن اس وقت جواب دیں جب مخاطب آپ کو سننے کے لیے تیار ہو۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ نے نہایت حکیمانہ انداز میں غیر اللہ کی پرستش پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا: إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ (26:70-73) ترجمہ: "جب انہوں نے اپنے باپ (چاچا) اور قوم سے کہا: تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کے سامنے جمے رہتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا: کیا وہ تمہاری پکار سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا تمہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟" ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت کی مشرک قوم کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ یہ بت جن کی وہ عبادت کرتے ہیں، وہ ان کی فریاد سنتے ہیں۔ اس لیے جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ سوال کیا کہ کیا یہ بت سنتے ہیں جنہیں تم پکارتے ہو؟ یا تمہیں کوئی نفع یا نقصان دے سکتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں کہا: قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ انہوں نے کہا: (نہیں، ہمارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ، دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے۔" (26:74)۔ یعنی انہوں نے ایک طرح سے اعتراف کیا کہ یہ بت نہ سنتے ہیں اور نہ انہیں کوئی نفع یا نقصان دے سکتے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جب بعد میں آنے والوں کے تجربات اور معلومات عموماً پہلے لوگوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا محض اس بنیاد پر کہ آباء و اجداد کسی عمل کو انجام دیتے تھے، ان کی بے سوچے سمجھے پیروی کرنے کے لیے کوئی معقول دلیل موجود نہیں ہوتی۔[9]

یہاں بت پرست جب حضرت ابراہیمؑ کے سوال کا کوئی منطقی جواب نہ دے سکے تو حضرت ابراہیمؑ نے پھر سوالیہ انداز میں بتوں کے اوصاف بیان کیے۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کی بات سمجھانے کی ایک روش روش تھی۔ اسی طرح سوالیہ انداز میں مختلف مقامات پر تنقید کی جیسے فرمایا: مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ (21:52) "یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے سامنے تم بیٹھے رہتے ہو؟"

<u>خلاصہ یہ</u> کہ قرآنِ مجید میں سوالیہ اسلوب بھی مثبت تنقید کی ایک نہایت بلیغ اور حکیمانہ روش ہے۔ سوال کبھی محض سیکھنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی سکھانے اور حقیقت کو مخاطب کے ذہن میں ابھارنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ فرشتوں کا حضرت آدمؑ کے بارے میں سوال، اسی نوعیت کا ایک تعمیری تنقیدی اسلوب ہے، نہ کہ اعتراض۔ اس کے برعکس، ابلیس کا رویہ سوالیہ اسلوب پر مبنی نہیں، بلکہ محض تخریبی تنقید تھی، جس کا ہدف صرف اپنی رائے کو نافذ کرنا تھا۔ یہ منفی تنقید کی ایک روش ہے۔

اگر ابلیس بھی طالبِ حق کے انداز میں سوال کرتا کہ مثال کے طور پر، "آیا میں افضل ہوں یا آدم؟" یا "آیا جو آگ سے پیدا ہوا ہے وہ افضل ہوتا ہے یا مٹی سے بنا ہوا؟" اور اس کا مقصد حقیقت کو قبول کرنا ہوتا تو اس کے لیے

بھی ہدایت کا دروازہ کھل سکتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے اسلوب میں سوال ایک تعلیمی اور سکھانے والا انداز اختیار کرتا ہے۔ اس طرح کے سوالات مخاطب کے ذہن کو خود نتیجے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ اگر مخاطب بلند مقام اور سنجیدہ فکر کا حامل ہو تو تنقید کو سوالیہ اور مؤدبانہ انداز میں پیش کرنا زیادہ مؤثر اور اخلاقی تقاضوں کے مطابق ہے۔

2-9۔ اوصاف کے ذریعے تنقید

تنقید کی ایک مؤثر اور حکیمانہ روش یہ ہے کہ زیرِ تنقید بات یا عقیدے کے حقیقی اوصاف بیان کر دیے جائیں، تاکہ اس کے مثبت و منفی پہلو خود بخود نمایاں ہو کر سامنے آ جائیں اور مخاطب غور و فکر پر آمادہ ہو جائے۔ قرآن براہِ راست اعتراض کے بجائے اوصاف کے ذریعے حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔ چنانچہ مشرک جنہیں خداوند تعالی کا شریک ٹھہراتے تھے، خداوند تعالی ان کی بے بسی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی نفع و نقصان کے مالک ہیں: إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ عِبادٌ أَمْثالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صادِقِين (7:192) ترجمہ: "بے شک جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح بندے ہیں، پس انہیں پکار کر دیکھ لو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو انہیں چاہیے کہ تمہاری پکار کا جواب دیں۔

اس آیت میں قرآن مجید سابقہ آیات کے مضمون کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ جن بتوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح مخلوق اور عاجز ہیں، ان کے پاس نہ کوئی علم ہے اور نہ قدرت، اسی لیے اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعا کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اگر وہ واقعی علم اور قدرت رکھتے تو تمہاری پکار سنتے اور تمہاری مدد کرتے، حالانکہ وہ نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی حرکت یا اختیار رکھتے ہیں۔[10]

اسی طرح فرمایا: إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (22:73)، جن معبودانِ باطل کو مشرکین پکارتے ہیں وہ اس قدر عاجز ہیں کہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اسے واپس بھی نہیں لے سکتے۔ اس طرح ان کی انتہائی کمزوری اور بے بسی ثابت ہو جاتی ہے، جس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی عاجز اور بے اختیار چیزیں عبادت کے لائق کیسے ہو سکتی ہیں۔[11] نیز یہ کہ وہ نفع و ضرر کا کوئی اختیار نہیں رکھتے: وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ، هؤُلاءِ شُفَعاؤُنا عِنْدَ الله (10:18) اسی طرح مکڑی کے گھر کی کمزوری کو بطور مثال بیان کرکے باطل سہاروں کی حقیقت واضح کی گئی: إِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ، (29:41)؛ ان تمام مقامات پر قرآن نے اوصاف (صفاتِ عجز و کمزوری) بیان کر کے غیر محسوس انداز میں یہ تنقید واضح کی ہے کہ جو ہستیاں بنیادی صفاتِ قدرت و اختیار سے محروم ہوں وہ عبادت یا اتباع کے لائق نہیں ہو سکتیں۔

9-3۔ حضرت ابراہیمؑ کی تنقید عملی تجربے اور مشاہدے کے ذریعہ

حضرت ابراہیمؑ نے عملی تجربے اور مشاہدے کے ذریعے اپنی قوم کے راسخ شرک، اندھی تقلید اور فکری جمود کو چیلنج کیا اور انہیں توحید کی طرف متوجہ کیا۔۔اسی فکری و عملی استدلال کے پس منظر میں قرآنِ کریم نے اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ نقل فرمایا ہے: قالُوا سَمِعْنا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقالُ لَهُ إِبْراهِيمُ قالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ قالُوا أَ أَنْتَ فَعَلْتَ هذا بِآلِهَتِنا يا إِبْراهِيمُ قالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ۔۔۔(21:60 -67) ترجمہ: "لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا: اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ وہ گواہ بن جائیں۔ انہوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ ابراہیم نے کہا: بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے بت نے کیا ہے، پس اگر یہ بولتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو۔ اس پر وہ اپنے دلوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: حقیقت یہ ہے کہ تم ہی ظالم ہو۔ پھر انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی سے سر جھکا لیے اور کہا: تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ابراہیم نے فرمایا: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان؟ تم پر اور ان معبودوں پر افسوس ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

یہ واقعہ ایک عید کے دن جب بت پرست اپنے معمول کے مطابق خوشی اور مذہبی رسوم کے لیے شہر سے باہر گئے تو حضرت ابراہیمؑ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بتوں کو توڑ دیا، جس کے بعد لوگ واپس آکر بت خانے کی حالت دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوئے۔ اس پر بعض لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے ایک نوجوان ابراہیمؑ کو بتوں کے خلاف گفتگو کرتے اور ان کی مخالفت کرتے سنا تھا، جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے حکمت کے ساتھ جواب دیا کہ یہ کام ان کے بڑے بت نے کیا ہے اگر یہ بول سکتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو۔اس جواب نے قوم کو فکری بحران میں ڈال دیا۔ اس عمل کے ذریعے آپؑ نے صرف نظری گفتگو نہیں کی، بلکہ ایک عملی تجربہ پیش کیا جس نے بتوں کی بے بسی اور بے اختیاری کو عملاً واضح کر دیا۔اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے عملی مشاہدے اور تجربے کے ذریعے قوم کے باطل عقیدے کی بنیادیں ہلا دیں اور واضح کیا کہ جو چیز خود اپنی حفاظت سے عاجز ہو وہ عبادت کی مستحق نہیں ہو سکتی۔[12]

9-4۔ مناظرے کے ذریعے تنقید

حضرت ابراہیمؑ کی تنقید کا ایک اہم نمونہ نمرود کے ساتھ ان کا مناظرہ ہے، جو فکری و اعتقادی انحرافات کی اصلاح کے لیے اختیار کی جانے والی تنقیدی روشوں میں سے ایک نمایاں روش شمار ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کے مطابق جب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ (2:258) "میرا رب وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت

دیتا ہے"، تو نمرود نے مغالطہ آمیز استدلال کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ وہ بھی زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس مغالطے کو بے نقاب کرنے کے لیے بحث کا رخ ایک ایسے مسئلے کی طرف موڑ دیا جس میں تاویل یا دھوکے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ فرمایا: فَإِنَّ اللهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (2:258) "بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، پس تم اسے مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔" اس قطعی دلیل کے سامنے نمرود مبہوت اور لاجواب ہو گیا: فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ "پس کافر حیران و ششدرہ رہ گیا۔" اس مناظرے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تنقید کو محض اعتراض یا رد تک محدود نہیں رکھا؛ بلکہ منطقی مکالمے اور استدلالی مناظرے کے ذریعے باطل عقائد کی کمزوری کو نمایاں کیا۔

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دینی عقائد بعض اوقات اتنے واضح نہیں ہوتے کہ کسی دلیل کے محتاج نہ ہوں؛ بلکہ اُن کے اثبات کے لیے دلیل واستدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز اندھی تقلید مذموم اور تحقیق و برہان کا راستہ مطلوب ہے۔ مزید یہ کہ انسان، خدا کو اس کی نشانیوں اور ان افعال کے ذریعے پہچانتا ہے جو اس کے سوا کسی اور کے بس میں نہیں ہوتے۔[13]

9-5۔ تنقید میں غیر مستقیم تنبیہ کا اسلوب

تنبیہ کا مفہوم یہی ہے کہ کسی فرد یا جماعت کو پیش آنے والے خطرے، غلطی یا نامناسب نتیجے سے پہلے ہی متوجہ کر دیا جائے تاکہ وہ احتیاط اختیار کر سکے۔ قرآن کریم میں تنقید کا یہ اسلوب ہمیں سورہ النمل کی اس آیت میں ملتا ہے جہاں خداوند تعالیٰ ایک چیونٹی سے یہ نقل قول کرتا ہے: قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (18:91) یعنی: "چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیوں اپنے بلوں میں گھس جاو، ایسا نہ ہو تمہیں سلیمان اور ان کا لشکرون ان جانے میں روند ڈالے۔" مفسرین کے مطابق اس آیت میں چیونٹی کا کلام حقیقت یا تمثیل دونوں صورتوں میں ممکن ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کو واقعی عقل و نطق عطا فرمایا اور بعض کے مطابق چیونٹی کا یہ مکالمہ، محض فہم وادراک کی علامتی نسبت ہے۔ بہر صورت، یہاں چیونٹی کا یہ کہنا کہ سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں روند نہ ڈالے، اگرچہ حضرت سلیمانؑ کے لشکر پر تنقید تھی لیکن دراصل، یہ ایک تنبیہ تھی کہ بڑے لشکر کی آمد پر کمزور مخلوق کو محتاط رہنا چاہیے۔ مبادا لاشعوری اور غیر ارادی طور پر انہیں نقصان پڑے۔

روایت میں امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے چیونٹی کی آواز سن کر اسے بلایا اور اس سے گفتگو فرمائی۔ چیونٹی نے ان کے عدل و انصاف کی تصدیق کی اور یہ حکیمانہ باتیں کہیں کہ دنیاوی طاقتیں وقتی اور فانی ہیں، بادشاہی اور اقتدار کو پائیداری نہیں، اور انسان کو غرور سے بچنا چاہیے۔ اس مکالمے کا مقصد یہ

واضح کرنا تھا کہ اللہ اپنے خاص بندوں کو ایسی چھوٹی مخلوقات کے ذریعے بھی نصیحت دلواتا ہے تاکہ وہ تکبر اور خود پسندی سے محفوظ رہیں۔[14]

اس واقعے میں چیونٹی نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر پر تنقید کرتے ہوئے اپنی قوم کو تنبیہ کی کہ: "اپنے بلوں میں گھس جاو، کہیں ایسا نہ ہو سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں روند ڈالے۔" بظاہر ایک سادہ آگاہی ہے، لیکن درحقیقت یہ اپنی قوم کے لیے غیر مستقیم تنبیہ ہے، جس میں چیونٹی نے حضرت سلیمانؑ یا ان کے لشکر پر قصداً ظلم کا الزام نہیں لگایا، بلکہ " وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ " (بے خبری میں) کی تعبیر اختیار کرکے نہایت حکمت کے ساتھ اپنی قوم کو احتیاط کی تلقین کی۔ حضرت سلیمانؑ کا اس پیغام کو سمجھ کر مسکرانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حکیمانہ قیادت غیر مستقیم تنبیہ کو قبول کرتی اور اسے اصلاح کا ذریعہ بناتی ہے۔

9-6۔ گفتگو میں نرمی

قرآنِ کریم میں اصلاح و مثبت تنقید کی ایک اہم اور مؤثر روش یہ بھی ہے کہ گفتگو کا انداز ہمیشہ نرم رکھیں جس میں مخاطب کی تحقیر یا مذمت کے بجائے مکالمے، خیر خواہی اور عقلی استدلال کے ذریعے اس کی فکری اصلاح کی جاتی ہے۔ اس اسلوب کا بنیادی مقصد اختلاف کو تصادم میں تبدیل کرنے کے بجائے، افہام و تفہیم کے ذریعے حقیقت کو واضح کرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اپنے چچا، آذر کے ساتھ گفتگو اس روش کی بہترین مثال ہے۔ آپؑ نے نہایت ادب اور شفقت کے ساتھ فرمایا: يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (19:42) یعنی "اے چچا جان! آپ ایسی چیز کی پوجا کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہے، نہ دیکھتی ہے اور نہ آپ کے کسی کام آ سکتی ہے؟" قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے عقیدے پر تنقید کرتے ہوئے بھی احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور بار بار "يَا أَبَتِ" (اے چچا) کہہ کر مخاطب کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تنقید کا مطلوب اسلوب وہ ہے جو نرمی، ادب، دلیل اور خیر خواہی پر مبنی ہو، کیونکہ مؤثر اصلاح عموماً مکالمے کے ذریعے ہی ممکن ہوتی ہے؛ نہ کہ سختی، تحقیر یا تصادم کے ذریعے۔

9-7۔ معین نمونے کے ذریعے تنقید

قرآنِ کریم کی ایک مؤثر اصلاحی روش ہے، جس میں کسی عمومی برائی کی نشاندہی کرنے کے بجائے، بعض دفعہ اس کی ایک واضح مثال اور معین نمونے کو ہدف بنایا جاتا ہے؛ تاکہ برائی زیادہ نمایاں ہو جائے اور اصلاح کے امکانات بڑھ جائیں۔ اس اسلوب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ناقد جس مسئلے یا خرابی کی نشاندہی کرنا چاہتا ہے اسے واضح، متعین اور غیر مبہم انداز میں بیان کرتا ہے، تاکہ مخاطب تنقید کے موضوع کو درست طور پر سمجھ سکے اور اس کے ازالے کی طرف متوجہ ہو۔ حضرت شعیبؑ کی دعوت میں یہ روش نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ آپؑ نے اپنی قوم کی

معاشی بدعنوانی، ناپ تول میں کمی اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے کے رویے کو تنقید کا موضوع بنایا اور فرمایا: أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (11:85) یعنی "ناپ تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں کمی نہ دو۔" اس آیت میں اصلاح کے مطلوب پہلو کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور کسی مبہم یا غیر واضح تعبیر سے اجتناب کرتے ہوئے آپؑ نے اپنی قوم کے اس منفی رویّے کا معین نتیجہ بھی ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ: وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ، یعنی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ یہاں تنقید کے ضمن میں ایک معین مصداق یعنی "زمین میں فساد" کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تنقید میں مؤثر اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ خرابی کے مصداق کو اجاگر کیا جائے اور مطلوب رویے کو بھی صریح انداز میں بیان کیا جائے، کیونکہ مبہم تنقید اکثر اصلاح کے بجائے ابہام اور غلط فہمی کا سبب بنتی ہے، جبکہ واضح اور معین تنقید مخاطب کو اپنی کمزوریوں کی طرف متوجہ اور ان کی اصلاح کی طرف رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

9-8۔ تنقید میں موقع و محل دیکھنا

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ تنقید کے آداب، حدود اور علمی نظم و ضبط کو واضح کرنے والی ایک اہم قرآنی مثال ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے علم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت خضرؑ نے پہلے ہی یہ شرط عائد کر دی: فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا (18:70) یعنی "اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو کسی چیز کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرنا؛ یہاں تک کہ میں خود اس کے متعلق تمہیں بتاؤں۔" تاہم جب حضرت خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کیا تو حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا کہ: أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا (18:71) یعنی "کیا آپ نے اسے اس لیے پھاڑ دیا کہ اس کے سواروں کو غرق کر دیں؟ یقیناً آپ نے ایک بڑا عجیب کام کیا ہے۔" اسی طرح ایک لڑکے کے قتل پر انہوں نے کہا: أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا (18:74) یعنی "کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو قتل کر دیا؟ یقیناً آپ نے بہت سنگین کام کیا ہے۔" یہ سوالات اعتراض برائے اعتراض نہیں تھے بلکہ ظاہری حالات کے مطابق ان اعمال کی حکمت جاننے کے لیے تھے، لیکن چونکہ حضرت خضرؑ نے پہلے ہی صبر اور عدمِ استفسار کی شرط لگادی تھی، اس لیے بار بار سوال کرنا اس شرط کے خلاف شمار ہوا۔ چنانچہ آخر کار حضرت خضرؑ نے فرمایا: هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ (18:78) یعنی "یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے۔"

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تنقید اور سوال اگرچہ علم و فہم کے حصول کا اہم ذریعہ ہیں، لیکن ان کی قبولیت کے لیے آداب، حدود، موقع و محل اور باہمی معاہدات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر تنقید ان حدود سے تجاوز کر جائے تو وہ اپنے مثبت نتائج کھو سکتی ہے۔ لہٰذا قرآن کی رو سے مؤثر اور مثبت تنقید وہی ہے جو علم، ادب، صبر اور

مناسب مواقع کی رعایت کے ساتھ کی جائے۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تنقید اور استفسار میں صرف نیت اور دلیل ہی نہیں بلکہ موقع و محل کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ حضرت موسیٰؑ کے سوالات اصولی طور پر درست تھے، لیکن وہ حضرت خضرؑ کی طے کردہ شرط کے مطابق مقررہ وقت سے پہلے کیے گئے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مسئلہ صرف سوال کی صحت کا نہیں، بلکہ اس کے مناسب وقت کا بھی تھا۔ اس واقعے سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ مثبت تنقید اسی وقت مؤثر ہوتی ہے جب وہ درست موقع، حالات اور اصولوں کی پابندی کے ساتھ کی جائے۔

9-9۔ تدریجی اور تربیتی تنقید

یہ قرآنِ کریم کی ایک نہایت حکیمانہ اصلاحی روش ہے جس میں معاشرتی یا اخلاقی خرابی کو یکدم سخت حکم کے ذریعے ختم کرنے کے بجائے مرحلہ وار اور تربیتی انداز اختیار کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب ذہنی، فکری اور عملی طور پر اصلاح کے لیے آمادہ ہو سکے۔ اس اسلوب کی نمایاں مثال شراب کی حرمت کا تدریجی بیان ہے، جہاں پہلے اس کے نقصان اور فائدے کا ذکر کیا گیا: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (2:219) یعنی "وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔" پھر نماز کے وقت نشے کی حالت میں آنے سے روکا گیا: لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ (4:43) یعنی "نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو۔" اور آخرکار اسے مکمل طور پر حرام قرار دے دیا گیا: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ رِجْسٌ... (5:90) یعنی "بے شک شراب اور جوا ناپاک ہیں..." اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا اصلاحی اسلوب تدریج، حکمت اور نفسیاتی تیاری پر مبنی ہے، جو انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے تبدیلی کو پائیدار اور مؤثر بناتا ہے۔

9-10۔ تقابلی تنقید

مثبت تنقید کی ایک روش یہ ہے کہ آپ دو باتوں یا عقیدوں کا موازنہ کریں اور اس کے ضمن میں باطل عقیدے کی نشاندہی کریں اور اسے اختیار کرنے والوں کی اصلاح کریں۔ یہ روش قرآنِ کریم کا ایک نہایت بلیغ اور مؤثر اسلوب ہے جس میں حق و باطل، ایمان و کفر، علم و جہل اور ہدایت و ضلالت کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر انسانی فکر کو بیدار کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب خود عقل و شعور کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کرے۔

اس اسلوب کی ایک مثال یہ ہے: أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ (10:35) یعنی: "کیا وہ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاتا؛ مگر یہ کہ کوئی اس کی رہنمائی کر دے؟" اسی طرح مؤمن اور فاسق کا فرق واضح کیا گیا:

أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ (32:18) یعنی "کیا مؤمن اور فاسق برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں یہ برابر نہیں ہو سکتے۔" نیز، بینا اور نابینا کا تقابل: أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ (13:19) یعنی "کیا یہ جاننے والا کہ جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ حق ہے، وہ اور اندھا برابر ہو سکتے ہیں؟"

اسی طرح زندہ و مردہ کا فرق: وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (35:22) یعنی "زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے" اور جنت و جہنم کے انجام کا تقابل: أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا (25:24) یعنی "جنت والے بہترین ٹھکانے والے ہوں گے"؛ ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کا تقابلی اسلوب تنقید کو جذباتی یا جارحانہ انداز کی بجائے ایک علمی، عقلی اور تربیتی مکالمے میں تبدیل کر دیتا ہے جس کا مقصد انسان کو اپنی فکری اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

9-11۔ نتائج و عواقب کی بنیاد پر تنقید

تنقید کی ایک اور مثبت روش، نتائج و عواقب کو بیان کرنا ہے۔ یہ قرآنِ کریم کا ایک جامع اور نہایت مؤثر اسلوب ہے جس میں کسی عقیدے، فکر یا عمل کی حقیقت کو اس کے عملی انجام اور تاریخی نتائج کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے تاکہ انسان براہِ راست حکم یا تردید کی بجائے انجامِ کار پر غور کرکے خود اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ اس اسلوب کی پہلی نمایاں مثال فرعون ہے جس نے ظلم، استکبار اور انکارِ حق کو اپنا طرزِ عمل بنایا؛ مگر آخرکار اپنی فوج سمیت غرق کر دیا گیا: فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ جَمِيعًا (17:103) یعنی "ہم نے اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔" اسی طرح قارون نے مال و دولت کو اپنی طاقت سمجھا اور تکبر کیا لیکن انجام کار زمین میں دھنسا دیا گیا: فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ (28:81) یعنی "ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔" قومِ عاد نے جسمانی قوت اور تعمیراتی عظمت پر فخر کیا اور ہودؑ کی دعوت کو جھٹلایا، لیکن وہ ایک تند و تیز آندھی کے ذریعے ہلاک کر دیے گئے: بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (69:6) یعنی "ایک سخت اور تیز آندھی کے ذریعے۔"

قومِ ثمود نے پہاڑوں کو تراش کر مضبوط مکانات بنائے اور صالحؑ کی اونٹنی کو ناحق قتل کیا، مگر ایک شدید چیخ (صاعقہ) نے انہیں تباہ کر دیا: فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ (41:17) یعنی "انہیں ذلت کے عذاب والی کڑک نے پکڑ لیا۔" قومِ نوح نے طویل عرصے تک انکار کیا اور آخرکار طوفانِ عظیم میں غرق ہو گئے: فَأُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا (71:25) یعنی "انہیں غرق کیا گیا پھر آگ میں داخل کیا گیا۔" اسی طرح قومِ شعیبؑ (اہلِ مدین) نے ناپ تول میں کمی اور معاشی ظلم اختیار کیا تو انہیں سخت عذاب نے آ لیا: فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (7:91) یعنی

"انہیں زلزلے نے پکڑ لیا۔" قومِ لوطؑ نے اخلاقی انحراف اختیار کیا تو ان پر بھی تباہ کن عذاب نازل ہوا: فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (11:82) یعنی "ہم نے اس بستی کو الٹ پلٹ کر دیا۔"

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کا یہ تنقیدی اسلوب براہِ راست تردید کے بجائے تاریخی انجام، اجتماعی تجربے اور عواقبِ عمل کے ذریعے انسان کو یہ شعور دیتا ہے کہ حق سے انحراف، ظلم اور فساد کا انجام ہمیشہ تباہی اور خسارے کی صورت میں نکلتا ہے۔ یوں یہ اسلوب فکر کو جذبات کی بجائے نتائج کی بنیاد پر درست سمت عطا کرتا ہے۔

9-12۔ عقلی استدلال کے ذریعہ تنقید

مثبت تنقید کی ایک اہم روش، عقلی استدلال پیش کرنا ہے۔ قرآنِ کریم کا ایک بنیادی اور نہایت مضبوط اسلوب ہے جس میں کسی باطل عقیدے یا فکر کی تردید براہِ راست جذباتی انداز کے بجائے عقل، دلیل اور منطقی مقدمات کے ذریعے کی جاتی ہے تاکہ مخاطب خود اپنے موقف کے تضاد کو سمجھ سکے۔ اس اسلوب کی سب سے روشن مثال حضرت ابراہیمؑ کے مناظرات اور استدلالات ہیں، جن میں انہوں نے بت پرستی اور شرک کی بنیادوں کو عقلی طور پر چیلنج کیا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے سوال کیا: هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ (72-26:73) یعنی "کیا یہ تمہیں سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟" تو اس سوال کے ذریعے انہوں نے بتوں کی بے بسی کو عقلی طور پر واضح کیا۔ اسی طرح سورج، چاند اور ستاروں کے نظام پر غور کرکے انہوں نے قوم کو یہ منطقی نتیجہ دیا کہ جو چیز خود غروب ہو جائے وہ معبود نہیں ہو سکتی: لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (6:76) یعنی "میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔"

نمرود کے ساتھ مناظرہ میں انہوں نے ایک قطعی عقلی دلیل پیش کی: فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (2:258) یعنی "اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے، تم اسے مغرب سے لے آؤ۔" اس دلیل نے مخالف کو مکمل طور پر لاجواب کر دیا: فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ یعنی "پس کافر حیران و عاجز رہ گیا۔" اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کی حقیقت کو منطقی تضاد کے ذریعے بے نقاب کیا اور کلہاڑا بڑے بت کے کاندھے پر رکھ کر قوم کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ جو خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے، وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں عقلی استدلال پر مبنی تنقید کا مقصد صرف مخالفت نہیں بلکہ فکر کو بیدار کرنا، تضادات کو واضح کرنا اور انسان کو اس کی فطری عقل کی طرف واپس لانا ہے تاکہ وہ خود حق کو قبول کرے۔

9-13۔ نقضی جوابات کے ذریعہ تنقید

قرآن میں کچھ جگہوں پر نقضی جواب کے طور پر تنقید کی گئی ہے جو نسبتاً زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی مثال عیسائیوں کا ایک بڑا مغالطہ یہ تھا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے وہ معمولی

انسان نہیں، بلکہ خدا کے بیٹے ہیں۔ قرآن نے سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کو سامنے رکھ کر ان کے اس پورے استدلال کو نقض کر دیا: إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ (3:59) "بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے فرمایا 'ہو جا' تو وہ ہو گیا۔"

نقضی نکتہ: عیسائیوں کا قاعدہ یہ تھا کہ "بغیر باپ کے ہونا = ابنِ خدا ہونا۔" قرآن نے نقض قائم کیا کہ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونے سے کوئی خدا کا بیٹا بن جاتا ہے، تو آدمؑ تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، وہ تو اس منطق سے وہ الٰہ بننے کے زیادہ حقدار تھے۔ پس جب تم آدمؑ کو انسان مانتے ہو، تو عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کیوں؟

نتیجہ

اس تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید میں تنقید کو محض منفی ردّ عمل کے طور پر نہیں، بلکہ ایک منظّم، حکیمانہ اور اصلاحی عمل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن کے تنقیدی اسالیب اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ تنقید کا مقصد فرد اور معاشرے کی فکری، اخلاقی اور عملی اصلاح ہے۔ قرآن نے مختلف روشیں اختیار کر کے یہ اصول واضح کیا ہے کہ مؤثر تنقید وہی ہوتی ہے جو دلیل، نرمی، تدریج، استفسار اور حکمت پر مبنی ہو۔ اس مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآنی تنقیدی منہج ایک جامع اور قابلِ عمل فکری ماڈل فراہم کرتا ہے جو نہ صرف دینی علوم، بلکہ سماجی و اخلاقی تربیت کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

*****

References

1.Muhammad Shabanpour, Farishta Kouni, “Principles and Methods of Criticism from the Perspective of the Quran and Nahj al-Balagha”, *Siraj al-Munir*, Vol. 5, Issue 15, (July 2014): 133-156.

محمد شعبان پور، فرشتہ کوئینی، اصول و روشہای نقد از دیدگاہ قرآن و نہج البلاغہ، *سراج المنیر*، دورۂ 5، شمارہ 15، تیر (1393 ش): 133-156۔

2. Ahmad Hossein Sharifi, *Ayin-e Zendegi*, 23rd Ed. (Qom, Ma'arif Publications, 1385 S.H), 82–84.

احمد حسین شریفی، *آیین زندگی*، چاپ بیست و سوم، (قم، معارف، تابستان 1385 ش)، 82-84۔

3. Shabanpour wa Queenie, "Principles and Methods of Criticism", 145.

شعبان پور و کوئینی، "اصول و روشہای نقد"، 145۔

4 . Muhammad bin al-Hussain, Al-Sharif al-Razi, *Nahj al-Balagha*, Compiled by Sayed al-Razi, (Qom, Dar al-Hijrah (or Islamic Publications House), n.d.), Sermon 157.

محمد بن حسین، الشریف الرضی، *نہج البلاغہ*، جمع و ترتیب: سید رضی، (قم، دار الہجرۃ (یا دار الکتب الاسلامیۃ/متن متداول)، بدون سال)، خطبہ 157۔

5. Muhammad Baqir Majlisi, *Bihar al-Anwar*, 2nd ed., Vol. 75, (Beirut, Mu'assasat al-Wafa, 1403 AH), 139.

محمد باقر مجلسی، *بحار الانوار*، چاپ دوم، ج75، (بیروت، مؤسسۃ الوفاء، 1403ھ ق)، 139۔

6. Muhammad bin Hassan al-Hurr al-Amili, *Wasa'il al-Shi'a*, Vol. 8, 5th ed., (Tehran, Maktabat al-Islamiyyah, 1401 AH), 413.

محمد بن حسن حر عاملی، *وسائل الشیعہ*، چاپ پنجم، ج8، (تہران، مکتبۃ الاسلامیہ، 1401ھ ق)، 413۔

7. Abd al-Wahid ibn Muhammad al-Tamimi al-Amidi, *Ghurar al-Hikam wa Durar al-Kalim*, Sharah: Jamal al-Din Muhammad Khwansari, Vol. 5, 3rd ed, Esfand (Tehran, Danishgaha Tehran, 1360 S.H.), 253.

عبدالواحد بن محمد تمیمی آمدی، *غرر الحکم و درر الکلم*، شرح: جمال الدین محمد خوانساری، چاپ سوم، ج 5، (تہران، دانشگاہ تہران، اسفند 1360ش)، 253۔

8. Abu Muhammad al-Harrani, *Tuhaf al-'Uqul*, Tehqeeq: Sadiq Hassan Zadeh, 11th ed. (Qom, Aal-e Ali Publications; 1388 S.H), 748.

ابو محمد حرانی، *تحف العقول*، تحقیق: صادق حسن زادہ، چاپ یازدہم، (قم، آل علی، 1388ش)، 748۔

9 . Naser, Makarem Shirazi, *Tafsir-e NamunAh*, Vol. 15, Translated by Syed Abbas Hashimi, (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiyyah, 1374 S.H), 255.

ناصر، مکارم شیرازی، *تفسیر نمونہ*، ج15، مترجم: سید عباس ہاشمی، (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1374ش)، 255۔

10. Muhammad Hussain, Tabatabai, *Tarjmah Tafsir al-Mizan*, Mutrajam: Syed Muhammad Baqir Musawi Hamedani, Chaap V, Vol. 8, (Qom, Dafter Antasharaat Islami Jamia Muderseen Hoza Elmia, 1374 S.H), 492.

محمد حسین طباطبائی، *ترجمہ تفسیر المیزان*، مترجم: سید محمد باقر موسوی ہمدانی، چاپ پنجم، ج8، (قم، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، 1374ھ ش)، 492۔

11. Ibid, Vol. 14, 578.

ایضاً، ج14، 578۔

12. Makarem Shirazi, *Tafsir-e NamunAh*, Vol. 13, 436-442.

مکارم شیرازی، *تفسیر نمونہ*، ج13، 436-442۔

13. Fazal bin Hassan, Tabrasi, *Majma al-Bayan fi Tafsir al-Qur'an (Urdu Translation)*, Vol. 3, Mutrajam: Syed Muhammad Baqir Moosavi Hamedani, (Tehran, Antasharaat Farahani, 1372 S.H.), 122-123.

فضل بن حسن، طبرسی، *ترجمہ مجمع البیان فی تفسیر القرآن*، ج 3، مترجم: سید محمد باقر موسوی ہمدانی، (تہران، انتشارات فراہانی، 1372ش)، 122-123۔

14. Syed Hussain Najafi, *Tafsir Ithna Ashari*, Vol. 10, (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiyyah, 1363 S.H.), 27.

سید حسین نجفی، *تفسیر اثنا عشری*، ج 10، (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۳ش)، 27۔